# سوال

القاموس اور المنجد دونوں میں ھے:

العظم (بسکون الظاء): قصب الحیوان الذی علیہ اللحم۔ ج: اعظم وعظام وعظامۃ۔

المنجد میں ھے:

العظمۃ (بسکون الظاء): القطعۃ من العظم۔

)نوٹ: المنجد مین ان الفاظ کا اعراب لفظوں میں نہیں بلکہ حرکت کے ذریعے لکھا گیا ھے۔ اس لیے بریکٹ میں وضاحت کردی گئی۔(

حاصل یہ کہ 'العظمۃ' کے "ظ" پر سکون کے ساتھ اگر یہ لفظ پڑھا جائے گا تو دعاے تراویح میں یہ ایک فاسد معنی پیدا کرے گا جو اللہ عزوجل کے حق میں ہرگز نہیں بولا جاسکتا۔

اس لیے دعاے تراویح میں بلکہ عربی زبان میں ہمیشہ یہ لفظ 'ظ' کے فتحہ (زبر) کے ساتھ پڑھنا ضروری ھے۔

بہت سے لوگ لاعلمی یا غفلت یا اردو زبان مین 'ظ' کے سکون کے ساتھ استعمال ہونے کی وجہ سے دعاے تراویح میں بھی اسے 'ظ' کے سکون کے ساتھ پڑھتے ھیں، بلکہ رمضان شریف کے بہت سے اشتہارات اور کارڈ میں بھی یہ اسی طرح شائع ہوتا ھے۔

ان سبھی حضرات پر اس کی اصلاح لازم ھے۔

:یہ صحیح ہے؟ یعنی ذی العزۃ والعظمۃ اگر ظاء کے سکون سے پڑھا گیا

تو کیا حکم ہے یا کیا کفر ہے؟

سائل: ارشاد احمد۔ مدینہ منورہ

00966 552265657
00966 599021009

تعوذ

دار الافتاء
فتوی نمبر ۲۰/۱۸۵۵
مورخہ

[6/21, 8:12 PM] Binte Hussain: سوال: دعاے تراویح میں ایک کلمہ ہے: والعظمة والھیبة....

سوال یہ ھے کہ ظ کے فتحہ (زبر) کے ساتھ پڑھیں گے یا ظ کے سکون کے ساتھ پڑھیں گے.؟؟؟

الجواب:

دعاے تراویح میں 'والعظمة' کے 'ظ' پر فتحہ پڑھا جائے گا۔

اسے 'ظ' کے سکون کے ساتھ پڑھنا غلط ھے۔ اس سے معنی فاسد ھو جاتا ھے۔

'ظ' کے فتحہ یعنی زبر کے ساتھ عظمة کا معنی 'کبریائی' ھے۔

اور 'ظ' کے سکون کے ساتھ 'عظمة' کا معنی 'ہڈی کا ٹکڑا' ھے۔

اب اگر دعاے تراویح مین 'ظ' کے فتحہ (زبر) کے ساتھ پڑھا جائے گا

تو "ذی العزة والعظمة" کا معنی ھو گا: "عزت اور کبریائی والا"۔

اور یہاں اللہ کی تسبیح و پاکی کے بیان میں یہی معنی مطلوب و مقصود ھے۔

لیکن اگر 'ظ' کے سکون کے ساتھ پڑھا جائے گا تو معنی ھو جائے گا: "ہڈی کے ٹکڑے والا"۔

اور یقینا یہ ایک فاسد معنی ھے

جو اللہ کی شان مین ہر گز ہر گز نہین بولا جا سکتا۔

"العظمة- محركة-: الكبر"

نیز

مختار الصحاح للرازي مین ھے

العظمة- بفتحتين-: الكبرياء،

عربی کی مشہور لغت 'المنجد' مین ھے:

العظمة والعظموت (بفتحة الظاء): الكبر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## الجواب حامداو مصلّیا

اللہ جلّ شانہٗ نے عربی زبان میں بہت زیادہ وسعت رکھی ہے،اس میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو متعدد معانی پر دلالت کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات صرف ایک ہی لفظ کم و بیش بیس(20) معانی پر بھی دلالت کرتاہے، اور جس طرح ایک لفظ کے متعدد معانی ہوتے ہیں اسی طرح ایک معنی اور مفہوم کو اداکرنے کیلئے بہت سے الفاظ آتے ہیں حتی کہ ایک چیز کے لئے سینکڑوں بلکہ ہزاروں نام استعمال ہوتے ہیں جیساکہ حضرت مولانامفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "کشکول/ثمرات الاوراق "میں "عربی زبان میں عجیب وغریب وسعت" کے عنوان کے تحت فرمایاہے کہ:

"کتاب (المبتکر فیما یتعلق بالمؤنث والمذکّر) میں شہد کے لئے ۸۰ نام ہیں اور سانپ کے دو سو، اور شیر کے پانچ سو، اور اونٹ کے ایک ہزار، تلوار اور مصیبت کے چار ہزار، اصمعی نے کہاکہ مجھے پتھر کے ستر نام یاد ہیں"۔
(کشکول،ص276)

عربی زبان کی وسعت کا احاطہ کرنے سے عاجز آکر بعض علمائے کرامؒ نے یہاں تک فرمادیا ہے "لا یحیط بہا الاّ نبيٌّ "۔یعنی صرف نبی ہی اس زبان کااحاطہ کر سکتاہے۔

اسی طرح کبھی ایک ہی لفظ دو متضاد معانی پر بھی دلالت کرتاہے،اور کبھی ایسا بھی ہوتاہے کہ ایک لفظ عرب کے ایک قبیلہ میں ایک معنٰی اور دوسرے قبیلہ میں اس کے متضاد معنٰی پر دلالت کرتاہے،ماہرینِ لغت نے باقاعدہ اس موضوع پر "الأضداد" کے نام سے بہت کتابیں لکھی ہیں(یتجاوز عددُھا عن عشرات کتبٍ) جیسے ابن انباریؒ، فراءؒ، اصمعیؒ اور ابن سکیتؒ وغیرہم کی کتب الاضداد۔

نیز عربی زبان اپنی وسعت کے ساتھ ساتھ بہت سی باریکیوں پر بھی مشتمل ہے انہی باریکیوں کی وجہ سے ایک لفظ کے متعدد معانی میں امتیاز ہوتاہے، چنانچہ جہاں بھی کسی باریک فرق کی وجہ سے ایک لفظ کے متعدد معانی میں امتیاز ہوتاہو ماہرینِ لغت بڑی وضاحت کے ساتھ وہاں اس فرق کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس پر تنبیہ فرماتے ہیں، خصوصاًجب فرق نہ کرنے کی وجہ سے فسادِ معنٰی کااندیشہ ہو تو اس وقت صرف حرکات کے ذریعے فرق ظاہر کرنے پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ الفاظ سے جیسے (بفتح الجیم، بکسر الجیم، بضم المعجمہ وغیرہ) کے ذریعے وضاحت فرماتے ہیں، مثال کے طور پر "خلْف" لام کے سکون کے ساتھ "برے جانشین" اور

لام کے زبر کے ساتھ "اچھے جانشین" کے معنی میں آتا ہے، تو چونکہ یہاں لام کی حرکت کا فرق نہ کرنے کی وجہ سے معنی بدل جاتے ہیں اس لئے ماہرینِ لغت لفظ "خلف" کے لام کے سکون یا زبر کو وضاحت کے ساتھ لفظوں میں بیان فرماتے ہیں، مثلاً "بفتح اللام یا بسکون الاوسط، اسی طرح "صرعة" راء کے سکون کے ساتھ "مفعولیت" اور راء کے زبر کے ساتھ "فاعلیت" کے معنی میں آتا ہے، اسی طرح لفظ "سداد" سین کے زیر کے ساتھ "پُر کرنا" اور سین کے زبر کے ساتھ "صواب" کے معنی میں آتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ جہاں تک "عَظْمَةٌ" بسکون الظاء کا تعلق ہے تو لغت کی کتابوں میں یہ بات تو مذکور ہے کہ "عَظْمَةٌ" بسکون الظاء ہڈی کے ٹکڑے کے معنی میں آتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ "عظمة" میں اگر ظاء کے سکون یا فتحہ میں فرق نہ کیا جائے تو معنی فاسد ہو جاتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اہلِ لغت اس لفظ کے اعراب کی ضرور الفاظ سے وضاحت فرماتے، جبکہ کتبِ لغت میں اس لفظ کا اعراب لفظوں میں مذکور نہیں بلکہ حرکات کے ذریعہ ظاہر کیا گیا ہے اور لغت کی کتابوں میں اگر اعراب لفظوں کے ذریعہ مذکور نہ ہو بلکہ صرف حرکات کے ذریعہ ظاہر کیا گیا ہو تو اس پر قطعی طور پر یا بہت زیادہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

تاہم اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لغت کی کتابوں میں "عَظْمَةٌ" (ہڈی کا ٹکڑا) بسکون الظاء ہی ہے تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ (عَظْمَةٌ) بسکون الظاء کسی اور معنی پر دلالت ہی نہیں کرتا، بلکہ اس مادہ (ع ظ م) میں اصل معنی کے اعتبار سے "عظمت یا قوت وشدّت" کے معنی بہر حال پائے جاتے ہیں، حتی کہ بعض اہلِ لغت نے فرمایا ہے کہ ہڈی کو بھی (عَظْمٌ) اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں سختی اور شدت ہوتی ہے لہٰذا قوّت وشدّت والے معنی کے اعتبار سے اگر (ذی العَظْمَةِ) بسکون الظاء پڑھا جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن چونکہ متعدد لغات میں (عَظَمَةٌ بفتحتین) بڑائی اور عظمت کے لئے استعمال ہوا ہے اس لئے احتیاط تو بہر حال اسی میں ہے کہ (العَظَمَةُ بفتحتین) لکھا اور پڑھا جائے، البتہ اگر عام لوگ اعراب کا باریک فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ظاء کے سکون کے ساتھ پڑھ لیں تو ان پر نکیر نہیں کرنی چاہیے۔

ففي "مقاييس اللغة" لابن فارس رَحِمَهُ اللهُ (4 / 355):

[بَابُ الْعَيْنِ وَالظَّاءِ وَمَا يَثْلِثُهُمَا]

(عَظَمَ) الْعَيْنُ وَالظَّاءُ وَالْمِيمُ أَصْلٌ وَاحِدٌ صَحِيحٌ يَدُلُّ عَلَى كِبَرٍ وَقُوَّةٍ. فَالْعِظَمُ: مَصْدَرُ الشَّيْءِ الْعَظِيمِ. تَقُولُ: عَظُمَ يَعْظُمُ عِظَمًا، وَعَظَّمْتُهُ أَنَا. فَإِذَا عَظُمَ فِي عَيْنَيْكَ قُلْتَ: أَعْظَمْتُهُ وَاسْتَعْظَمْتُهُ. وَمُعْظَمُ الشَّيْءِ: أَكْثَرُهُ. وَعَظَمَةُ الذِّرَاعِ: مُسْتَغْلَظُهَا. وَهِيَ الْعَظِيمَةُ: النَّازِلَةُ الْمُلِمَّةُ الشَّدِيدَةُ.

قَالَ: إِنْ تَنْجُ مِنْهَا تَنْجُ مِنْ ذِي عَظِيمَةٍ ... وَإِلَّا فَإِنِّي لَا إِخَالُكَ نَاجِياً.

وَمِنَ الْبَابِ: الْعَظْمُ، مَعْرُوفٌ، وَهُوَ سُمِّيَ بِذَلِكَ لِقُوَّتِهِ وَشِدَّتِهِ.

وفي "المزهر في علوم اللغة وأنواعها" للسيوطي رَحِمَهُ اللَّهُ (1 / 320):

الخامسة: ممن أَلَّف في المترادف العلامة مجد الدين الفيروز أبادي صاحب القاموس، أَلَّف فيه كتاباً سمّاهُ "الروض المسلوف فيما له اسمان إلى ألوف".

وأرفد خَلْقٌ من الأئمة كتباً في أسماء أشياء مخصوصة، فألّف ابن خالويه كتاب في أسماء الأسد وكتابا في أسماء الحيَّة.

ذكر أمثلة من ذلك: العَسل له ثمانون اسماً، أوردها صاحب القاموس في كتابه الذي سماه "ترقيق الأسل لتصفيق العسل".

وفي "تاج العروس" (1 / 16):

[المقصد الثَّاني في سَعة لغة العرب]

في المزهر: قال أبو الحسن أحمد بن فارس في فقه اللّغة: بَاب القول على لغة العرب، وهل يجوز أن يُحاط بها، قال بعض الفقهاء: كلام العرب لا يحيط به إلّا نبيّ.

قال السيوطيُّ: وهذا الّذي نقله عن بعض الفقهاء نصَّ عليه الإمامُ الشافعيّ رضي الله عنه، فقال في أوّل الرسالة: لسان العرب أوسعُ الألسنة مذهباً، وأكثرُها ألفاظاً، ولا نعلم أنه يُحيط بجميع علمه إنسانٌ غير نبيّ.

وفي "الصاحبي في فقه اللغة العربية ومسائلها وسنن العرب في كلامها" لابن فارس رَحِمَهُ اللَّهُ (1 / 28):

[باب القول في اختلاف لغات العرب]

ومن الاختلاف: اختلاف التضادّ، وذلك قول حِمْيَر للقائم "ثِبْ" أي: اقعدْ.

روي أن زيد بن عبد الله بن دارِم وفد عَلَى بعض ملوك حِمْيَر فألْفاه فِي مُتَصَيَّد لَهُ عَلَى جبل مُشْرِف، فسلَّم عَلَيْهِ وانتسب له، فقال لَهُ الملك: "ثِبْ" أي: إجلس، وظنَّ الرجل أنه أمره بالوثوب من الجبل فقال: "لتجدني أيُّها الملك مِطْواعاً"، ثُمَّ وثب من الجبل فهلك، فقال الملك: مَا شأنه؟ فخبّروه قصته وغلطه في الكلمة.

وفيه أيضاً (1 / 25):

[اختلاف لغات العرب من وجوه]

أحدها: الاختلاف في الحركات كقولنا: "نَستعين" و"نِستعين" بفتح النون وكسرها. قال الفرَّاء: هي مفتوحة فِي لغة قريش، وأسدٌ وغيرهم يقولونها بكسر النون.

والوجه الآخر: الاختلاف فِي الحركة والسكون مثل قولهم: "معَكم" و"معْكم".

ووجه أخر: وهو الاختلاف فِي إبدال الحروف نحو: "أولئك" و"ألالك".

ومنها قولهم: "أنّ زيداً" و"عَنّ زيداً".

ومن ذَلِكَ: الاختلاف فِي الهمز والتليين نحو: "مستهزءون" و"مستهزُوْن".

ومنه: الاختلاف فِي التقديم والتأخير نحو: "صاعقة" و"صاقعة".

ومنها: الاختلاف في الحذف والإثبات نحو "استحيَيْت" و "استحَيت" و "وصدَدْت" و "أَصْدَدْت".

ومنها: الاختلاف في الحرف الصحيح يبدلُ حرفًا معتلا نحو: "أما زيد" و "أيْما زيد".

ومنها: الاختلاف في الحرف الساكن يستقبله مثله، فمنهم من يكسر الأول ومنهم من يضم، فيقولون: "اشتَرَوُا الضلالة" و "اشتَرَوِ الضلالة".

ومنها: الاختلاف في التذكير والتأنيث فإن من العرب من يقول "هَذِهِ البقر" ومنهم من يقول "هَذَا البقر" و "هذه النخيل" و "هَذَا النخيل".

ومنها: الاختلاف في الإعراب نحو: "مَا زيدٌ قائماً" و "مَا زيدٌ قائم" و "إنّ هذين" و "إنّ هذان" وهي بالألف لغة لبني الحارث بن كعب.

ومنها: الاختلاف في التحقيق والاختلاس نحو: "يأمُرُكم" و "يأمُرْكم" و "عفِي لَهُ" و "عفْي لَهُ".

ومنها: الاختلاف في الوقف عَلَى هاء التأنيث مثل "هَذِهِ أُمَّهْ" و "هَذِهِ أَمَّتْ".

ومنها: الاختلاف في الزّيادة نحو: "أَنْظُرُ" و "أَنظورُ".

وفي "السيرة الحلبية / إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون" (3 / 386):

اسم المولى يطلق على عشرين معنى ، منها . . .

وفي "شرح ديوان الحماسة" للتبريزي رَحِمَهُ اللَّهُ (1 / 146):

المولى يطلق على معان كثيرة.

وفي "الإتقان في علوم القرآن" للسيوطي رَحِمَهُ اللَّهُ (2 / 144):

[النوع التاسع والثلاثون: في معرفة الوجوه والنظائر]

صنَّف فيها قديماً مقاتلُ بن سليمان ، ومن المتأخرين ابنُ الجوزي وابن الدامغاني وأبو الحسين محمد بن عبد الصمد المصري وابن فارس

وآخرون. فالوجوه للفظ المشترك الذي يستعمل في عدة معان كلفظ الأمة وقد أفردت في هذا الفن كتابا سميته " معترك الأقران في مشترك القرآن " . . . وذكر مقاتل في صـدر كتابه حديثا مرفوعا: "لا يكون الرجل فقيهاً كل الفقه حتى يرى للقرآن وجوهاً كثيرة " ، قلت: هذا أخرجه ابن سـعد وغيره عن أبي الدرداء موقوفاً ولفظه: "لا يفقه الرجل كل الفقه " . . . من ذلك: {الهدى} : يأتي على تسـعة عشر وجهاً . . . الخ.

وفي "البرهان في علوم القرآن" للزركشي رَحِمَهُ اللَّهُ (2 / 208):

. . . وقد جاء عن أبي الدرداء رضي الله عنه: "لا يفقه الرجل كل الفقه حتى يرى للقرآن وجوها كثيرة" رواه أحمد أي اللفظ الواحد يحتمل معاني متعددة ، ولا يقتصر به على ذلك المعنى ، بل يعلم أنه يصلح لهذا ولهذا . . . كالأمة في قوله تعالى: {وجد عليه أمة} بمعنى الجماعة ، وفي قوله: {إن إبراهيم كان أمة} بمعنى الرجل الجامع للخير المقتدى به ، وبمعنى الدين في قوله تعالى: {إنا وجدنا آباءنا على أمة} ، وبمعنى الزمان في قوله تعالى: {وادّكر بعد أمة}.

وفي "تأويل مشكل القرآن" لابن قتيبة رَحِمَهُ اللَّهُ (1 / 18):

ولها – أي: للعرب – الإعراب الذي جعله الله وشياً لكلامها ، وحلية لنظامها ، وفارقاً في بعض الأحوال بين الكلامين المتكافئين ، والمعنيين المختلفين كالفاعل والمفعول ، لا يفرّق بينهما ، إذا تساوت حالاهما في إمكان الفعل أن يكون لكلّ واحد منهما إلا بالإعراب . . . . ولو أن قائلاً قال: هذا قاتل أخي بالتنوين، وقال آخر: هذا قاتل أخي بالإضـافة– لدّل التنوين على أنه لم يقتله، ودلّ حذف التنوين على أنه قد قتله . . . وقد قال رسول الله صلّى الله عليه وآله وسلّم: «لا يقتل قرشي صبرا بعد اليوم».

فيمن رواه «جزماً» أوجب ظاهر الكلام للقرشي ألا تقتل إن ارتدّ، ولا يقتصّ منه إن قتل. ومن رواه «رفعاً» انصرف التأويل إلى الخبر عن قريش: أنه لا يرتدّ منها أحد عن الإسلام فيستحقّ القتل. أفما ترى الإعراب كيف فرق بين هذين المعنيين.

وقد يفرقون بحركة البناء في الحرف الواحد بين المعنيين. فيقولون: رجلٌ لُعْنَةٌ، إذا كان يلعنه الناس. فإن كان هو الذي يلعن الناس، قالوا: رجلٌ لُعَنَةٌ فحرّكوا العين بالفتح.

ورجل سُبَّةٌ إذا كان يسبه الناس، فإن كان هو يسبّ الناس قالوا: رجل سُبَبَةٌ.

وكذلك: هُزْأَةٌ وهُزَأَةٌ، وسُخْرَةٌ وسُخَرَةٌ، وضُحْكَةٌ وضُحَكَةٌ، وخُدْعَةٌ وخُدَعَةٌ.

وفي "عمدة القاري شرح صحيح البخاري" للعيني رَحِمَهُ ٱللَّهُ (22 / 163):

قوله: (بالصرعة) بضم الصاد المهملة وفتح الراء الذي يصرع الرجال مكثراً فيه وهو بناء المبالغة كالحُفَظَة بمعنى كثيرا الحفظ، وقال ابن التين: ضبطناه بفتح الراء وقرأه بعضهم بسكونها وليس بشيء؛ لأنه عكس المطلوب.

وفي "غريب الحديث" للخطابي رَحِمَهُ ٱللَّهُ (1/54):

الف) روي عن النبي ﷺ أنه قال: "يحمل هذا العمل من كل خَلَفٍ عُدوله، ينفون عنه تحريف الغالين، وانتحال المبطلين، وتأويل الجاهلين".

الرواية بتحريك اللام في "الخَلَف"، وقد رواه بعضُهم بسكون اللام، فأزال الخبر عن جهته، وأحال معناه؛ لأن رسول الله ﷺ لم يقصِد بقوله هذا ذَمَّ عُدول حَمَلَة العلم، إنما أراد به مدحهم والثناء عليهم.
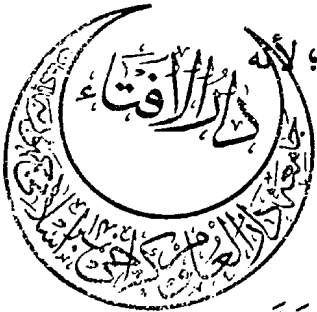
وإنما "الخَلْف" بسكون اللام خَلْف السوء. قال الله تعالى: (فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ) ، ومنه قول لبيد بن ربيعةَ العامريّ:

ذهب الذين يعاش في أكنافهم      وبقيتُ في خَلْفٍ كجلد الأجرب

ويقال: فلانٌ خَلَفُ صِدقٍ من أبيه ، وخَلَفُ سوءٍ –متحركة اللام– فإذا لم تذكر خيراً ولا شرّاً ؛ قلتَ في الخير: "خَلَفٌ" ، وفي الشر: "خَلْفٌ".

ب) ومن هذا الباب حديثُه الآخر ، أنه قال: " من تزوّج ذاتَ جمالٍ ومالٍ ؛ فقد أصاب سِداداً من عَوَزٍ". رواه هُشيم بن بشير: سَداداً – بفتح السين – فأزال المعنى ، وإنما هو السِّداد – مكسورة السين – من سدّ الخَلّة ، وكل شيءٍ سددته به فرجة ، أو ردمتَ به ثُلمةً فهو سِداد ؛ ولذلك سمّي صمام القارورة سِداداً ، فأما السَّدادُ – بفتح السين– فهو مصدر سَدّ رأيُ فلانٍ يَسدُّ سَداداً.

قال الشاعر العَرجيُّ:

أضاعوني وأيُّ فتىً أضاعوا      ليومِ كريهةٍ وسِداد ثَغْر.

(والجدير بالذكر أن العلّامة الخطابي رَحِمَهُ ٱللَّهُ ألّف كتاباً سمّاه "إصلاح غلط المحدثين" ، نبّه فيه على أمثال هذه الأخطاء ، ممّا يدلّنا على أنّ علماء الأمة – رحمهم الله تعالى– لم يتركوا شيئاً ذا شأن في هذا الباب إلا نبّهوا عليه ، لا سيّما إذا كان يُفسد المعنى ، ويُزيله عن المقصود ، فجزاهم الله تعالى خيراً).

والله تعالى أعلم

عبد الرحمٰن عفا الله عنه

عبد الرحمن عفا الله عنه

دار الافتاء بجامعة دار العلوم كراچی

25/صفر/1438 ھ
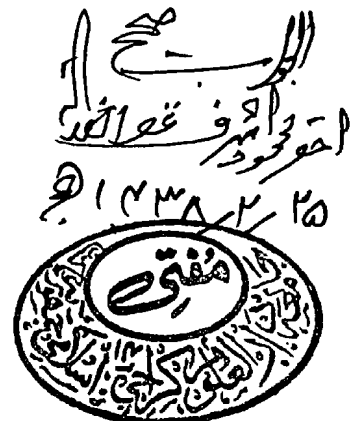
26/نومبر/2016 م

الجواب صحیح
احقر محمود اشرف غفر اللہ له
۲۵/۲/۱۴۳۸ھ

الجواب صحیح
بنده محمود الحسن غفی عنه
۲۵-۲-۱۴۳۸ھ

الجواب صحیح
عبد الحمید
۲۵/۲/۱۴۳۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## الجواب حامداً و مصلیاً

واضح رہے کہ لغت کی کتابوں میں یہ بات تو مذکور ہے کہ "عَظْمَۃٌ" ہڈی کا ٹکڑا کے معنیٰ میں آتا ہے لیکن وہاں اس لفظ کا اعراب لفظوں میں مذکور نہیں بلکہ حرکات کے ذریعہ ظاہر گیا ہے اور لغت کی کتابوں میں اگر اعراب لفظوں کے ذریعہ مذکور نہ ہو بلکہ صرف حرکات کے ذریعہ ظاہر کیا گیا ہو تو اس پر قطعی طور پر یا بہت زیادہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

تاہم اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لغت کی کتابوں میں "عَظْمَۃٌ" (ہڈی کا ٹکڑا) بسکون الظاء ہی ہے تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ (عَظْمَۃٌ) کسی اور معنی پر دلالت ہی نہیں کرتا، بلکہ اس مادہ (ع ظ م) میں اصل معنی کے اعتبار سے "عظمت یا قوت وشدت" کے معنیٰ بہر حال پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اہل لغت نے فرمایا ہے کہ ہڈی کو (عَظْمٌ) اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں سختی اور شدت ہوتی ہے تو قوت وشدت والے معنی کے اعتبار سے اگر (ذی العَظْمَۃِ) پڑھا جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ متعدد لغات میں (عَظَمَۃٌ بفتحتین) بڑائی اور عظمت کے لئے استعمال ہوا ہے اس لئے احتیاط تو بہر حال اسی میں ہے کہ (العَظَمَۃُ بفتحتین) لکھا اور پڑھا جائے، البتہ اگر عام لوگ اعراب کے باریک فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ظاء کے سکون کے ساتھ پڑھ لیں تو ان پر نکیر نہیں کرنی چاہیے۔

ففي مقاييس اللغة لابن فارس ۃ (۴ / ۳۵۵):

[بَابُ الْعَيْنِ وَالظَّاءِ وَمَا يَثْلِثُهُمَا]

(عَظَمَ) الْعَيْنُ وَالظَّاءُ وَالْمِيمُ أَصْلٌ وَاحِدٌ صَحِيحٌ يَدُلُّ عَلَى كِبَرٍ وَقُوَّةٍ. فَالْعِظَمُ: مَصْدَرُ الشَّيْءِ الْعَظِيمِ. تَقُولُ: عَظُمَ يَعْظُمُ عِظَمًا، وَعَظَّمْتُهُ أَنَا. فَإِذَا عَظُمَ فِي عَيْنَيْكَ قُلْتَ: أَعْظَمْتُهُ وَاسْتَعْظَمْتُهُ. وَمُعْظَمُ الشَّيْءِ: أَكْثَرُهُ. وَعَظَمَةُ الذِّرَاعِ: مُسْتَغْلَظُهَا. وَهِيَ الْعَظِيمَةُ: النَّازِلَةُ الْمُلِمَّةُ الشَّدِيدَةُ. قَالَ: إِنْ تَنْجُ مِنْهَا تَنْجُ مِنْ ذِي عَظِيمَةٍ ... وَإِلَّا فَإِنِّي لَا إِخَالُكَ نَاجِياً.

وَمِنَ الْبَابِ: الْعَظْمُ، مَعْرُوفٌ، وَهُوَ سُمِّي بِذَلِكَ لِقُوَّتِهِ وَشِدَّتِهِ.

واللہ تعالی أعلم

عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

دار الإفتاء بجامعة دار العلوم کراچی

۲۱/21/محرم الحرام/۱۴۳۸/1438ھ

۲۳/23/اکتوبر/۲۰۱۶/2016ء

الجواب صحیح

احقر محمود اشرف غفر اللہ

۲۱/۱/۱۴۳۸ھ